OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com
DOI: https://doi.org/10.53575/u13.v6.02(22)141-147

"لیمپ پوسٹ" ایک نئی پڑھت

Lamp Post" a new reading"

DR. TAYYABA NIGHAT
Assistant Professor, Government College Women University, Faisalabad.

DR. AFSHEEN SHOUKAT
Visiting Lecturer, Govrnment Women Univeristy, Faisalabad.

DR. UZMA BASHIR
Visiting Lecturer, Govrnment Women Univeristy, Faisalabad.

Received on: 05-05-2022 Accepted on: 07-06-2022

Abstract

Rasheed Amjad is famous short story writer , one of superior quality of his creative art is symbolism and abstraction. " Lamp Post" is one of renowned short story of Rasheed Amjad which unfolds numerous dimensions of life. The predominant theme of the above mentioned story is the increasing trend of materialistism in society which has not only deprived modern man from dear ones at the same time it's severity has made man machine like item unmindful about sense and sensibility of life and it's belongs. This research article is an effort to highlight the art of Rasheed Amjad and different themes of the short story " Lamp Post".

Keywords: Superior, Symbolism, Abstraction, Increasing Trend, Deprived

"لیمپ پوسٹ" رشید امجد کی ایک ایسی علامتی کہانی ہے جس ہیں مختلف علامتوں کے ذریعے سے مرکزی خیال (Central Theme) تشکیل دیا گیا ہے اور ہر علامت اپنی معنویت کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔اس افسانے میں "سایہ جسم کی علامت ہے، "سڑک" زندگی کی علامت ہے اور "چوہدری" وہی روایتی زمیندار طبقے کی علامت ہے اور یہ لفظ اپنے وسیع تر معنوں میں استحصال کی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔"اندھیرا" اور "لیمپ پوسٹ" مجسم کردار ہیں۔البتہ لیمپ پوسٹ ایک فعال کردار ہے جس سے افسانے کا راوی واحد متکلم بذاتِ خود مکالمہ کرتا ہے۔لیمپ پوسٹ اور راوی کے مابین بات چیت میں اسرار پوشیدہ ہے جو سماجی و معاشرتی طرز زندگی کی عکاسی کر رہا ہے:

"لیمپ پوسٹ سنسان رات میں تنہا اداس کھڑا میری راہ تک رہا تھا۔مجھے دیکھ کر اس کے پیلے چہرے
پر زندگی انگڑائیاں لینے لگی۔میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا اور باتیں کرنے لگا۔"(1)

اس افسانے میں لیمپ پوسٹ ایک باقاعدہ کردار کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جو افسانہ نگار کے ہمراہ ہر واقعہ میں ساتھ چلتا ہے۔وہ صرف

روشنی کا مینار ہی نہیں بلکہ افسانے کے راوی یعنی واحد متکلم کردار کا غم خوار بھی ہے۔ جب گردشِ ایّام کے سبب انسان پر طرح طرح کے آلام اترتے ہیں تو وہ اپنے مافی الضمیر کا رخ بے جان اشیا کی طرف بھی کر دیتا ہے۔ وہ دیواروں سے بھی ہم کلام ہوتا ہے اور بے جان چیزوں سے ہم کلام ہوتا ہے۔ وہ اپنے ماحول کے مختلف کرداروں کے ساتھ ہم کلامی کے نتیجے میں اپنا غم غلط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیمپ پوسٹ کے قریب بار بار ایک سایہ آتا ہے۔ جیسے جیسے یہ قریب آتا ہے تو دیکھنے والا اس کی طرف لپکنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن حقیقت حال یہ ہوتی ہے کہ لیمپ پوسٹ کی جانب بڑھتے ہوئے سائے کے پیچھے کوئی کردار نہیں ہوتا۔ یہ سائے کسی خوف ناک خواب کی طرح گزر جاتا ہے لیکن دیکھنے والے کو جسم کو دکھائی نہیں دیتا، محض سایہ گزرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور اس کے قدموں کی چاپ سناٹے میں گونجتی رہتی ہے۔ سایہ اپنے وجود سے محروم ہے لیکن اس کی آواز بہت وزنی ہے۔ گویا یہ بھی جسم کے ساتھ سرکتا آیا ہے جو گہری علامتیت کا حامل ہے۔

یہ سایہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ رات کی تاریکی میں چلتے پھرتے کردار بغیر روح کے ہیں اور بغیر جسم کے ہیں۔ ان کے محض سائے باقی رہ گئے ہیں جب کہ وجود کہیں کھو گئے ہیں۔ سائے کو جسم کی سطح پر علامت کے طور پر یوں مجسم کیا گیا ہے:

> ''دور بہت دور کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ میں ہمہ تن متوجہ ہو کر آنے والے کا انتظار کرتا ہوں۔ آنے والے کا سایہ دور سے نظر آتا ہے، لیکن جب وہ میرے قریب پہنچتا ہے تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ وہ محض سایہ ہی ہے۔ میں اس کی طرف لپکنے کی کوشش کرتا تو میرا دوست۔۔۔ لیمپ پوسٹ میرا بازو تھام لیتا ہے۔ سایہ گزر جاتا ہے لیکن قدموں کی چاپ دیر تک سناٹے میں گونجتی رہتی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ کیسا سایہ ہے جس کا وجود نہیں لیکن قدموں کی چاپ اتنی وزنی ہے؟ یہ سائے روز آتے ہیں، گزر جاتے ہیں۔ قدموں کی چاپ کچھ دیر گونجتی ہے، پھر دم توڑ دیتی ہے۔''(2)

گویا افسانے میں سایہ بھی ایک علامتی کردار ہے جو سماج کے کھوکھلے پن اور بے چہرگی کو ظاہر کرتا ہے۔ جبر کی ایسی فضا کے اندر جہاں الفاظ اپنی معنویت چھپاتے ہیں اور علامتی لباس پہن کر ماتم کناں ہو جاتے ہیں اور جہاں لوگ سچ بیان کرنے سے ڈرتے ہوں، وہاں کسی بھی چیز کی اصل نہیں دکھائی جاسکتی۔ چیزیں اور کردار بے مقصد بھی نہیں عدم شناخت کا شکار نظر آتے ہیں۔ ایسے میں اپنی اصل شناخت چھپانی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر رشید امجد رقم طراز ہیں:

> "مارشل لاء کے ضابطے، ایمرجنسی، آئین کی کلی یا جزوی معطلی سے ایک غیر معمولی فضا پیدا ہوئی۔ جس میں ایک ایسے ماحول نے جنم لیا جس کے اندر ہر عمل معمولی سے غیر معمولی میں تبدیل ہو گیا۔ خوف و دہشت کی ایک نامحسوس اور کبھی محسوس کیفیت نے جنم لیا۔ جس نے معاشرے کی مجموعی ورکنگ کو متاثر کیا۔"(3)

رشید امجد نے ''لیمپ پوسٹ'' میں مارشل لائی جبریت کو آشکار کرنے کے لیے مختلف علامتی کڑیوں کو جوڑا ہے اور ماحول کی گھٹن کو کرداروں

کے اندر کی گھٹن دکھلا کر صورتِ حالات کی سنگینی کا عندیہ دیا ہے تاکہ عوامی شعور جاگے۔ لہٰذا اس افسانے میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جبریت کے سبب مسلط کی گئی بے چہرگی نے ہمارے معاشرے کی شناخت کی جڑوں کو کھوکھلا کر رکھ دیا ہے۔ پورے افسانے میں منظر کشی ہی منظر کشی ہے اور جس طرح کے مناظر قاری کے سامنے بیان کیے جاتے ہیں، ان سے فقط ایک ہی تاثر ابھرتا اور وہ یہ ہے کہ بے چہرہ معاشروں میں آج بھی سب سے بڑا مسئلہ شناخت کا مسئلہ ہے۔ افسانے میں چھوٹے چھوٹے مناظر پورے ماحول کی جزئیات کی حیثیت رکھتے ہیں اور انھی کے ذریعے سے معاشرے کی بے بسی دکھائی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرکزی کردار پورے ماحول کو آسیب زدہ قرار دیتا ہے۔

اسے خارجی ماحول کے ساتھ ساتھ اندر کمرے کی فضا میں بھی گھٹن کا احساس ہوتا ہے۔ گلی کے چہرے پر رچی ہوئی سیاہی کی وجہ سے خوفناک حد تک پورے کمرے میں گھٹن محسوس کی جاتی ہے۔ کسی بھی مکان کے اندر محبوس ہونا بذات خود وجود کی آزادی کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اس افسانے کا راوی کردار کسی مکان کا رخ بھی کرتا ہے تو وہاں سے ایک ہیبت ناک تصویر اس کے سامنے آتی ہے اور وہ نہیں سمجھتا کہ وجود جیسی لطیف شئے کو مکان جیسے ہی ہے ہتناک محبوس کیا جا سکتا ہے نے میں واقعات کی ترتیب و تنظیم کے بجائے بدنظمی ہے ایک واقعہ دور چھوڑ کر افسانہ نگار کی طرف لپک جاتا ہے مری کا کردار بھی آسان میں ایک ایسا بیان یہ کردار ہے جس کی اکھڑ مزاجی اور دقیانوسیت کو افسانہ نگار یوں بیان کرتا ہے:

> ''یہی کیا کم ہے کہا تنا لمبا چوڑا مکان انھیں ورثہ میں ملا ہوا ہے اور پھر چوہدری صاحب کو شاید قدرت نے ذہنی زاویوں کی مناسبت سے اس مکان میں رکھا ہے۔ مزاج ایسا کہ ان سے بات کرنے کے لیے صدیوں پیچھے لوٹنا پڑتا ہے۔ ضد اور بدمزاجی انہیں ورثہ میں ملی ہے۔ کسی صحیح بات کو غلط رنگ دینے کے لیے انھیں زیادہ دیر سوچنا نہیں پڑتا جو بات کہہ دی پتھر کی لکیر ہو گئی۔''(4)

افسانہ نگار نے چوہدری کے کردار کے ذریعے سے مطلق العنانیت، کٹھور پن، دقیانوسیت اور آمرانہ ذہنیت کی عکاسی کی ہے۔ آج کل ہر گلی محلے میں اس طرح کے چوہدری آج بھی موجود ہیں جو عام لوگوں کو اپنا غلام سمجھتے ہیں۔ عام لوگوں کو دبانے کے لیے جھوٹ موٹ کی دھونس جماتے ہیں۔ رشید امجد نے اس افسانے میں اس کردار کو جبر کے آلہ کار کے طور پر پیش کیا ہے۔ بنیادی طور پر چوہدری جاگیردارانہ جبر کی علامت ہے اور برصغیر میں مابعد نوآبادیاتی ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔

اس افسانے کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ پورے افسانے میں افسانے کا مرکزی کردار اور راوی اپنے احساسات بیان کرتا ہے اور ایک احساس سے دوسرے احساس کی طرف پلٹ جاتا ہے، لیکن سبھی احساس باری باری بیان ہوتے ہیں۔ انہی احساسات کے بیانات پر مشتمل یہ افسانہ ایک احساس سے دوسرے احساس کی طرف چھلانگ لگاتا ہے۔ گویا یوں کہا جا سکتا ہے کہ افسانہ نگار نے جدت کے ایک اور زاویہ کو اس افسانے میں شامل کرتے ہوئے کردار کے احساس کے بہانے کہانی تراشی ہے اور واقعات کے تانے بانے بنتا چلا گیا ہے اور یوں غیر محسوس انداز میں قاری افسانے کے راوی کی پیروی کرتا چلا جاتا ہے۔ اس ضمن میں افسانے کے مختلف مناظر احساساتی بیانیے کے حامل ہیں۔ مثال کے طور پر یہ نمونہ

ملاحظہ ہو:

"کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں اور راحت کبوتروں کا جوڑا ہے جو بد قسمتی سے گدھوں کے گھونسلے میں انفس ہیں یہ حقیقت ہے کہ اگر اس مکان میں راحت کا تصور نہ ہوتا بھائی کا یہاں سے بھاگ چکا ہوتا ہیں۔"(5)

ایک احساس کو بیان کرنے کے بعد دوسرے احساس کو اجاگر کیا جاتا ہے۔اس افسانے کے تصوراتی فعال کرداروں میں راحت کا کا کردار اہم ہے جو ایک خوبصورت دوشیزہ کا کردار ہے اور اس افسانے کو آسیبی فضا سے نکال کر رومانویت کا احساس دلاتا ہے۔

راحت کردار بھی ایک فعال کردار ہے جو ایک نازک مزاج اور خوبصورت لڑکی ہے اور مرکزی کردار کے خوابوں کی رانی ہے۔وہ جس مکان میں رہتا ہے اس نے اسی مکان میں راحت نے کبھی زندگی بسر کی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے چشمِ تصور میں راحت کے وجودی لمس کی حرارت کو گھر کے در و دیوار میں رہتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔

اس افسانے کا پلاٹ ایسے کرداروں سے معمور ہے جو مفلوج اور نامکمل وجود رکھتے ہیں۔یہاں کوئی بھی کردار مکمل اور مجسم کردار نہیں ہے۔ہر کردار یا تو مفلوج ہے یا نہ مکمل ہے۔افسانے کے راوی کردار کا جسم بھی مفلوج ہے۔اسی طرح سیاہ کپڑا اس فسانے میں ظلم کے اور جبر کے آلہ کار کی علامت ہے۔پورے سماج پر یہ کالے کپڑے اندھیری رات کی طرح چھائے ہوئے ہیں۔افسانے میں علامتی کرداروں کے محبوس جذبات کے اظہار کے ذریعے سے کرداروں کے اندر کی گھٹن کو بیان کیا گیا ہے جو وہ ناقابل برداشت حد تک سہہ رہے ہیں۔اسی گھٹن کا شکار پورا معاشرہ ہے اور اسی گھٹن کا شکار روشنی دینے والا مینار یعنی لیمپ پوسٹ بھی ہے جو اگرچہ دوسروں کو روشنی دیتا ہے لیکن خود اس کا وجود کمر کمر تک اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے۔معاشرے کی ہر جامد شئے مجسم شاہکار ہے لیکن اسی گھٹن کا شکار ہے۔یہاں تک کہ سوچوں پر بھی قفل پڑے ہوئے ہیں۔سیاہ کپڑے نے ان کے ذہن کو کھالیا ہے جبکہ ماحول کو ڈس لیا ہے۔اندر کا کرب اور گھٹن اتنی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کردار نہیں بسر کر رہے بلکہ زندگی انہیں بسر کر رہی ہے۔"لیمپ پوسٹ" کو افسانہ نگار نے راوی افسانہ کے دوست کے کردار کی صورت میں پیش کیا ہے۔وہ بھی اسی جبری ماحول کے اندر سانس لیتا ہے جب کہ زندگی سے مایوس ہو کر افسانے کا واحد متکلم کردار جب بھاگتا ہوا لیمپ پوسٹ سے لپٹتا ہے تو اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ تو محض ایک لکڑی کا بے جان کھمبا ہے جسے لیمپ پوسٹ کا نام دیا گیا ہے اور اس کے اندر زندگی کی کوئی حرارت موجود نہیں ہے۔افسانہ نگار کا شعوری ادراک اور احساس کہانی کو اختتام کی طرف لے جاتا ہے، لیکن کہانی فکر انگیز انداز میں اختتام کو پہنچتی ہے۔باہر سڑک پر پڑی ہوئی لیمپ پوسٹ کی لاش کمرے میں راحت کی حرارت، اس کا صحت منداور گداز جسم، دہلیز پر کھڑا متحیر انداز میں دیکھتا ہوا واحد متکلم کردار، سبھی کچھ قاری کو ورطہ حیرت میں مبتلا کرتا ہے کہ وہ کس طرح کے ماحول میں آکر پھنس گیا ہے۔

فنی حوالے سے یہ افسانہ انتہائی زرخیز واقع ہوا ہے۔افسانہ نگار نے بڑی مہارت کے ساتھ کے غیر مرئی کرداروں کو مری کرداروں اور جاندار

کرداروں کی صورت میں پیش کیا ہے۔ یہاں تک کہ لیمپ پوسٹ کا کردار زندہ اور چلتے پھرتے کرداروں کی صورت میں نظر آتا ہے کردار نگاری کے حوالے سے یہ افسانہ اس قدر فنی ارفعیت کا حامل ہے اس کا اندازہ افسانے کے فنی تجزیے سے ہو سکتا ہے۔افسانے کا ہر بے جان اور جاندار کردار بھرپور تشخص رکھتا ہے اور ہر کردار اپنے آپ میں مکمل اور کامل نظر آتا ہے۔ کردار نگاری ایک مشکل فن ہے۔ کردار نگاری افسانے کی جان ہوتی ہے۔افسانے کے کردار جتنے مضبوط اور افسانے کے باطنی و خارجی مقتضیات کے مطابق ہوں گے ،افسانہ اتنا ہی بڑا ہوگا ۔ عظیم افسانہ نگاروں کی عظمت کی وجہ محض ان کے افسانیوں کے شاندار پلاٹ نہیں ہیں بلکہ اصل وجوہ ان کی کردار نگاری ہے۔ایک کردار اپنے عصر کی نمائندگی اپنے خالق کی ذہنی اُپج اور فکری و عصری شعور وآگہی کے مطابق کرتا ہے اور اس کردار کی نفسیات معاشرے کی اجتماعی نفسیات کی نمائندہ ہوتی ہے۔اسی لیے کرداروں کی خراش تراش میں افسانہ نگاروں کو سب سے زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے۔ کردار نگاری کے حوالے سے یہ بات بڑی اہم ہیں کہ افسانے میں موجود کرداروں کی زبان کس قسم کی ہے۔وہ کس قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔ان کی گفتگو میں مصنوعی پن ہے یا فطری اندازِ تکلم ہے۔

یہ بات اہم ہے کہ افسانوی کردار مافوق البشر کردار نہیں ہوتے بلکہ ہماری زندگی سے لیے جاتے ہیں اور ہمارے معاشرے کو ظاہر کرتے ہیں، اس کی نمائندگی کرتے ہیں۔اس لیے ان کرداروں کی گفتگو اور ان کا اندازِ تکلم بھی حقیقت پر مبنی ہونا چاہیے۔کرداروں کی گفتگو میں مصنوعی پن افسانے کے پلاٹ کو بھی مجروح کر دیتا ہے اور افسانے کی مجموعی فضا کو بھی بُری طرح متاثر کرتا ہے۔ بناوٹی اور مشکل الفاظ ثقالت کو جنم دیتے ہیں۔ مشکل اور بھاری بھرکم الفاظ کا استعمال، نہ سمجھ آنے والے کلیشے کے الفاظ ار مافوق العقل و فہم قسم کا اسلوب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس سے افسانوی کرداروں اور معاشرے کے حقیقی کرداروں کے مابین تفہیمی بُعد (Cognitive gap) پیدا ہوتا ہے اور افسانے کو ناقابلِ فہم بنا دیتا ہے۔

افسانوی کرداروں کا سب سے بڑا حسن یہ ہے کہ ان میں رنگا رنگی اور تنوع ہونا چاہیے۔رشید امجد کے افسانے اس لحاظ سے بہت متمول ہیں کہ یہاں ہر قسم کے کردار مل جاتے ہیں۔ کرداروں کی گفتگو اور ان کے مکالموں سے معلوم ہوتا ہے کہ کس نوعیت کے کردار ہیں۔ چنانچہ بعض کردار بڑے فلسفی ہوتے ہیں۔چند ایک صوفیانہ گفتگو کر رہے ہوتے حالانکہ عام انسان دکھائی دیتے ہیں لیکن چونکا دینے کا عنصر ان میں زیادہ ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح حقیقی زندگی میں صوفیا اور اہلِ باطن لوگوں کو اپنی طلسماتی شخصیت کے باعث چونکا دیتے ہیں اور ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔اس ضمن میں اس بات کا خیال رکھنا بہر کیف ضروری ہے کہ کرداروں کی قیل و قال ان کے حال کے مطابق ہو۔ اگر کوئی فلسفی ہے تو وہ فلسفیانہ قسم کی گفتگو کرتا ہے۔اسی طرح کسی عالم کا کردار سے یہ توقع رکھنا بجا ہے کہ وہ افسانے میں دوسرے کرداروں کے ساتھ عالمانہ گفتگو کرے۔ کسان کی گفتگو میں دیہات کی زبانوں کا ٹھیٹھ پن ہونا چاہیے تاکہ فطرت کے اور حقیقتت کے عین مطابق معلوم ہو۔اسی طرح اگر کوئی کردار کوچوان اور ایک مزدور کا ہے یا کسی بھی ان پڑھ شخص کا ہے اور اس سے عالمانہ اور فلسفیانہ قسم کی گفتگو یا شاعرانہ قسم کی گو سننے کو مل رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ افسانہ نگار حقیقت سے بہت دور جا پڑا ہے اور اس نے اپنے زورِ قلم سے کردار کی حقیقی

گفتگو چھین کر اس کے منہ میں اپنی مصنوعی زبان لگادی ہے۔یوں کردار نگاری میں سقم آجاتاہے۔رشید امجد کے افسانوں میں اس قسم کا سقم نہیں ملتا کیونکہ ان کے افسانوی کرداروں کی زبان وبیان ان کے مقتضائے حال کے مطابق ہوتی ہے۔"لیمپ پوسٹ"میں جتنے بھی کردار ہیں ،ان کی زبان و بیان ان کے سطحِ ذہن و فہم و ادراک کے مطابق ہے۔مزید یہ کہ غیر مرئی کرداروں کی زبان بذاتِ خود چونکہ ایک مافوق الفطرت واقعہ ہے،اس لیے یہاں اس قاعدے کااطلاق نہیں ہوتا:

"سیاہ کپڑا دھیرے دھیرے دوسرا پنجہ بھی بڑھانے لگا۔خود کو مصروف رکھنے کے خیال سے میں نے پھر سوال کیا۔یہ ندی کہاں سے آتی ہے؟کیا جغرافیائی باتیں پوچھ رہے ہو؟پھر بھی مجھے اس سے دلچسپی ہے۔ میں نے درد کی شدت کو دباتے ہوئے کہا۔"(6)

یہ خود کلامی کا ایک انداز ہے لیکن اسے مکمل طور پر خود کلامی اس لیے قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ امیں غیر مرئی کردار ایک سے زیادہ ہیں ۔راحت جیسی نازک اندام لڑکی کا کردار خیالی ہے لیکن اس کی زبان عام بول چال کی زبان ہے جس میں اعتدال ہے اور عامیانہ پن بھی نہیں ہے ۔یہ حقیقت ہے کہ زبان و بیان کے حوالے سے عوامی بول چال کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔عام بول چال میں اتنا پھکڑ پن اور اتنا بازاری پن بھی نہیں ہونا چاہیے کہ کرداروں کی زبان گالی گلوچ یا اخلاق سے گری ہوئی ہو۔اور افسانوی کردار بد تمیزی کا نمونہ بن جائیں۔اس لیے افسانہ نگار کو کرداروں کی زبان تخلیق کرتے وقت معتدل مزاج رہنا ہوتا ہے۔اس میں حد اعتدال سے آگے نہیں بڑھنا ہوتا۔کردار نگاری میں افسانہ نگار کی زبان اور اس کا اسلوب ہر افسانی کردار کو اس کے تعلیمی اور علمی احوال کے مطابق ملتا ہے۔یہاں بھی جس طبقے کے کرداروں کو پیش کیا جارہا ہوان میں اور افسانوی کرداروں حقیقت پر مبنی تعلق موجود ہو ایک قسم کا فطری تشابہہ قائم ہو،بصورت دگر افسانے کے کردار مصنوعی معلوم ہوں گے۔اس کے برعکس رشید امجد کے کے افسانوی کرداروں کے اسالیبِ گفتگو کے تجزیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی گفتگو عوامی لسانی شعور کی نمائندہ کار ہے۔

یادرہے کہ افسانے کے کردار اپنے شخصی و سماجی وجود کے ساتھ حرکت کرتے انسان کا ایک مکمل ڈھانچہ ہیں جو ہمارے معاشرے میں آس پاس پائے جاتے ہیں۔جدید افسانہ نگاروں نے کرداروں کی اس ہیئت کی جگہ نئے قالب تیار کیے اور انہیں نئی معنویت کے ساتھ نئے انداز میں پیش کرنے کی سعی کی۔جدید افسانے میں کرداری حوالے سے بنیادی تبدیلی جسم کی بجائے پرچھائیں کو ترجیح دینا ہے۔قیام پاکستان کے بعد ابتدائی برسوں میں معاشرتی الٹ پھیر اور منافقتوں و جعلسازیوں کی بدولت یہ المیہ نئی نسل کا مقدر رہا۔مارشل لاء کے نفاذ نے رہی سہی کسر بھی نکال دی اور سب سے بڑھ کر مغرب سے آمدہ انحطاطی فکری عناصر مجموعی طور پر لاتعلقی،اجنبیت اور مغائرت کا باعث بنے۔

اس صورتحال میں کرداروں کا بے نام ہو جانا اور شناخت کی گمشدگی ایک فطری امر تھا۔جدید افسانہ نگاروں کے ہاں بے چہرہ کرداروں اور پرچھائیوں کی پیش کش عصری زندگی کے اسی المیے کی بازگشت ہے۔یہ پرچھائیں جدید افسانے میں کبھی تو اپنے آپ کو تلاش کرتی نظر آتی ہے، کبھی کسی دوسرے کے تعاقب میں چلتی ہے تو کبھی وجود کی تمنا میں مختلف قالب بدلتی چلی جاتی ہے۔

کردار کا یہ عکس کبھی میں، وہ اور تم سے اور کبھی کسی تاریخی، اسطوری یا دیومالائی وجود کو اپنا سہارا بنالیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مارشل لائی دور میں اردو افسانے میں دیومالائی اور اسطوریائی کرداروں کی مانگ بڑھی اور انتظار حسین اور دیگر افسانہ نگاروں نے اس قسم کے کرداروں کو تخلیق کرتے ہوئے علامتی کرداروں کی راہ ہموار کی۔ اسی تناظر میں انتظار حسین کے ساتھ رشید امجد کا نام بھی آتا ہے جنھوں نے علامت کو تخلیقی بازیافت کے لیے استعمال کیا ہے۔ ان کے علامتی اور تجریدی کردار بذاتِ خود گہری معنویت کے حامل ہیں۔ ان کے کردار انتہائی جاندار ہیں ۔ رشید امجد کے اکثر افسانوی کرداروں میں پاکستانی معاشرے کے متحرک، چلتے پھرتے اور زندہ کرداروں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ رشید امجد کے افسانوی کردار سماجی زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب سادہ لیکن دلچسپ ہے۔ ان کے کردار غیر معمولی ہونے کے بجائے معمولی نوعیت اور اہمیت کے عام کردار ہیں۔ ان کے کردار ہر طبقۂ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ رشید امجد: "لیمپ پوسٹ": نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 2015ء، ص9

2۔ ایضاً، ص10

3۔ ڈاکٹر رشید امجد، مزاحمتی ادب ایک جائزہ، مرتب: مزاحمتی ادب، ڈاکٹر رشید امجد اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 2007ء ص 21

4۔ رشید امجد: "لیمپ پوسٹ": نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 2015ء، ص11

5۔ ایضاً، ص11

6۔ ایضاً، ص13

References

1. Rasheed Amjad “lump post” national book foundation Islamabad, 2015, P.9.
2. Ibid, P.10.
3. Doctor Rasheed Amjad mazahamti adab aik jaiza murtab: mazahamti adab doctor Rasheed Amjad Acadmy adbiyat Pakistan Islamabad, 2007, P.21.
4. Rasheed Amjad “lump post” national book foundation Islamabad, 2015, P.11.
5. Ibid, P.11.
6. Ibid, P.13.